۱–۲

سہ ماہی حرفِ نیم گفتہ لاہور

اکتوبر ۲۰۲۱ء — جنوری ۲۰۲۲ء

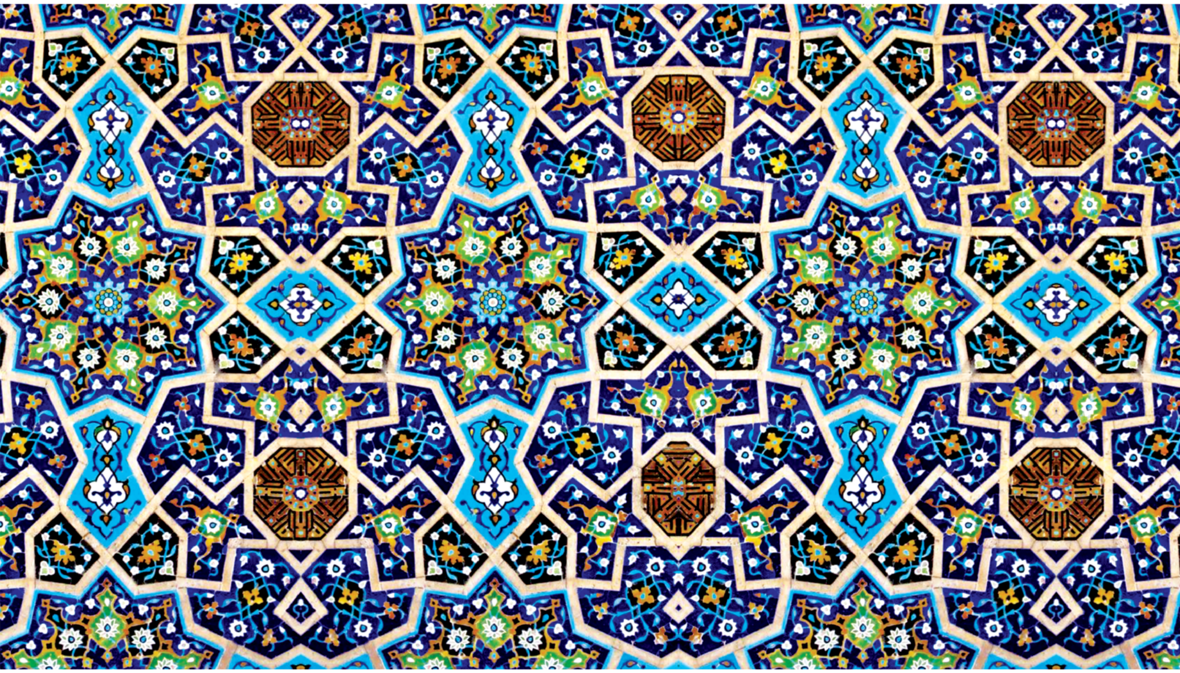

مدیر:

کاشف علی خان شیروانی

حرف نیم گفتہ
لاہور

مدیر:
کاشف علی خان شیروانی

نائب مدیر:
طارق محمود ہاشمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

شمارہ نمبر ۱-۲ — اکتوبر ۲۰۲۱ء، جنوری ۲۰۲۲ء

حرف و حکایت	مدیر	۳
فکرِ غامدی سے اعلان رجوع	کاشف علی خان شیروانی	۷
جاوید غامدی کے دینی انحرافات سے رجوع	طارق محمود ہاشمی	۱۱
سبعہ احرف کی روایت پر منکرینِ حدیث کے اعتراضات: جاوید غامدی کے موقف کا جائزہ	طارق محمود ہاشمی	۱۹
صداقت اور منہج: مقدمہ	ہانز گیورگ غادامیر ترجمہ: نادر عقیل انصاری	۵۷
غزل	سید طاہر رضا زیدی	۶۴
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو: نعیم بلوچ کے سرقے کا جائزہ	طارق محمود ہاشمی	۶۵
ایمے سیزیئر سے ایک ملاقات	فیلیسیا سمتھ ترجمہ: کاشف علی خان شیروانی	۸۷
اکبر الہٰ آبادی، نوآبادیاتی نظام اور عہد حاضر	شمس الرحمان فاروقی	۹۳
اعجاز القرآن	علامہ ابوسلیمان خطابیؒ ترجمہ: نادر عقیل انصاری	۱۰۷

کاشف علی خان شیروانی، مدیر "حرف نیم گفتہ"، نے الائیڈ پرنٹرز، ۲۶ مال روڈ، لاہور، سے چھپوا کر ۸۰-سی، مسلم نگر، رائیونڈ روڈ، لاہور، سے شائع کیا۔

جملہ حقوق بحق مصنفین محفوظ ہیں۔

قیمت شمارہ ھٰذا: ۴۰۰ روپے (مع اضافی زرِ ترسیل)
قیمت سالانہ (۴ شمارے): ۱۵۰۰ روپے

ملنے کا پتہ

ہاؤس نمبر ۸۰، بلاک -سی، مسلم نگر ہاؤسنگ سوسائٹی
رائیونڈ روڈ، لاہور، پاکستان، پوسٹ کوڈ: ۵۳۷۰۰

برائے رابطہ:

0333-4430507

تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو!

نعیم احمد بلوچ کے سرقے کا جائزہ

طارق محمود ہاشمی

انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کے عام ہونے کے ساتھ ہی جہاں کتب کی بجائے ای کتب کا رواج ہوا وہاں مطبوعہ اخبارات کے آن لائن ایڈیشن بھی سامنے آنا شروع ہو گئے۔ تقریباً ہر اخبار اپنا ایک آن لائن ایڈیشن بھی رکھتا ہے جس کے قارئین کی تعداد مطبوعہ اخبار کے قارئین سے کہیں زیادہ ہے۔ کچھ اخبارات صرف آن لائن ہی پائے جاتے ہیں اور ان کا کوئی مطبوعہ ایڈیشن نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ علم کی اشاعت اور معلومات کی فراہمی کا بہت ہی سستا اور تیز رفتار ذریعہ ہے۔ البتہ اس عمل میں کچھ خطرات بھی لاحق ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں آن لائن اخبارات میں پیش کی گئی خبریں اور تبصرے اب مروجہ ادارتی عمل سے نہیں گزارے جاتے۔ صحتِ معلومات کے پرکھنے کا کوئی باقاعدہ نظام باقی نہیں رہا۔ اس طرح آن لائن طریقۂ اشاعت دراصل پروپیگنڈہ مشین کا ایک پرزہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس سے پہلے صحافتی مواد ایک مکمل ادارتی عمل سے گزرتا تھا۔ ایک خبر جب اخبار کے دفتر میں پہنچتی تو اسے متعدد زاویوں سے دیکھا جاتا۔ مدیر حضرات اور نائب مدیر اس کام میں بنیادی کردار ادا کرتے اور چھاپے جانے والے مواد کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ وہ اس بات کی ضمانت دیتے کہ جو بات لوگوں تک پہنچ رہی ہے وہ حقائق پر مبنی ہے، اس کی زبان درست ہے، اس کی پیشکش اچھے طریقہ سے کی جا رہی ہے اور یہ کسی پروپیگنڈے کا حصہ نہیں ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ اب یہ عمل سرعتِ رفتار کا ساتھ نہ دے سکنے کی وجہ سے کمزور ہو گیا ہے۔ ممکن ہے ہمارا خدشہ بے جا ہو مگر ایک آن لائن اخبار ''دنیا پاکستان،، جس کے ایڈیٹر اجمل شاہ دین صاحب ہیں، نے ۱۹ / اپریل ۲۰۱۵ء کو نعیم احمد بلوچ صاحب کا ایک مضمون ''اسرائیل کیسے وجود میں آیا'' شائع کیا جو نہ صرف تاریخی اغلاط سے مملو تھا بلکہ اس کا بیشتر حصہ مسروقہ

تھا[۱]۔ یہ تحریر اس امر کو واضح کرنے کے لیے لکھی جا رہی ہے کہ محترم نعیم احمد بلوچ صاحب کے مطبوعہ مضمون"اسرائیل کیسے وجود میں آیا" کا غالب حصہ نہ صرف مسروقہ ہے، بلکہ علمی اعتبار سے بھی اغلاط سے مملو ہے۔ نیز اسی حقیقت کی رعایت سے علمی سرقے اور اس کے علمی اور اخلاقی پہلووں پر مسلمانوں کے روایتی موقف کا ایک مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔ اس جائزے سے مسلم تہذیب کی یہ خصوصیت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ یہاں تہذیبی سطح پر شروع ہی سے علمی سرقے کی شناعت مسلّم تھی، بلکہ مسلمانوں نے اس کے ردّ کے لئے ایک مفصل نظریاتی بنیاد بھی فراہم کی۔

"اموالِ مسروقہ یکے از شواہدِ سرقہ است"

سب سے پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ نعیم احمد بلوچ صاحب کے مضمون"اسرائیل کیسے وجود میں آیا" کا بیشتر حصہ ڈاکٹر فاروق احمد خان مرحوم کی ایک تحریر سے سرقہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ تحریر"مسئلہ فلسطین" کے عنوان سے جنوری سنہ ۲۰۰۴ء میں ماہنامہ اشراق میں شائع ہوئی تھی، اور پھر ان کی کتاب "امت مسلمہ: کامیابی کا راستہ"[۲] کے ایک باب کے طور پر دوبارہ شائع ہوئی۔ بلوچ صاحب کا مضمون ستاسی (۸۷) جملوں پر مشتمل ہے جن میں سے ترپن (۵۳) جملے مسروقہ ہیں۔ چنانچہ ان کے مضمون کا اکسٹھ (۶۱) فیصد حصہ مسروقہ ہے، جس پر بین الاقوامی معیارات کی رُو سے مجرمانہ سرقہ (Plagiarism) کی تعریف صادق آتی ہے۔ یہاں میں معانی، مضامین، اور نظریات کے سرقے کی بات نہیں کر رہا۔ میں صرف اس سرقے کی بات کر رہا ہوں جہاں من وعن عبارت، لفظ بہ لفظ سرقہ کی گئی ہے، یا بہت ہی معمولی تصرف کر کے ایک مرحوم مصنف کے جملوں کو ہتھیا لیا گیا ہے۔ ذیل میں بلوچ صاحب کے مسروقہ جملے اور ڈاکٹر صاحب کے مضمون کے اصل متون متقابل کالموں میں پیش کیے جا رہے ہیں، تا کہ قارئین کو منصفانہ نتیجے تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ پہلے کالم میں بلوچ صاحب کے مسروقہ جملے ہیں، اور دوسرے کالم میں ڈاکٹر صاحب کی کتاب سے اصل مواد نقل کیا گیا ہے:

۱۔ روزنامہ، دنیا پاکستان، آن لائن میگزین، ایڈیٹر ان چیف: اجمل شاہ دین (dunyapakistan.com)۔ تاہم نعیم احمد بلوچ صاحب کا مذکورہ مضمون اب "دنیا پاکستان" کی ویب گاہ پر میسر نہیں ہے۔ اس مضمون کے سکرین شاٹ مندرجہ ذیل لنک پر دیکھے جا سکتے ہیں:
https://archive.org/details/israel-kesey-wajood-main-aaya/page/n5/mode/2up

۲۔ ڈاکٹر فاروق احمد خان، امت مسلمہ: کامیابی کا راستہ (لاہور: المورد، سنہ ۲۰۰۶ء)۔

	نعیم احمد بلوچ، ''اسرائیل کیسے وجود میں آیا''	ڈاکٹر فاروق خان، ''امت مسلمہ: کامیابی کا راستہ''
۱	انیسویں صدی میں سلطنت برطانیہ سب سے بڑی طاقت تھی۔	انیسویں صدی میں سلطنت برطانیہ سب سے بڑی طاقت تھی۔
۲	مگر اس صدی کے وسط میں جرمنی بھی ایک بڑی طاقت کی حیثیت سے ابھرا۔	مگر اس صدی کے دوسرے آخر میں جرمنی بھی ایک بڑی طاقت کی حیثیت سے ابھرا۔
۳	ان کے درمیان خام مال، تیار مال کی فروخت، اور دوسرے وسائل کے لئے مقابلہ لازمی تھا۔	ان کے درمیان خام مال، تیار مال کی فروخت اور دوسرے وسائل کے لیے مقابلہ لازمی تھا۔
۴	چنانچہ ایک طرف برطانیہ، فرانس اور روس کا اتحاد بن گیا اور دوسری طرف جرمنی، اٹلی اور آسٹریا ہنگری کا اتحاد بن گیا۔	چنانچہ ایک طرف برطانیہ، فرانس اور روس کا اتحاد بن گیا اور دوسری طرف جرمنی، اٹلی، آسٹریا اور ہنگری کا اتحاد بن گیا۔
۵	اس منظر نامے میں ترکی کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔	اس منظر نامے میں ترکی کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔
۶	اس لئے کہ وہ اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے اعتبار سے پس ماندہ تھا اور اسی لئے یورپ کا مرد بیمار کہلاتا تھا۔	اس لیے کہ وہ ہر اعتبار سے پس ماندہ تھا اور اسی لیے یورپ کا ''مرد بیمار'' کہلاتا تھا۔
۷	اس پس منظر میں جب پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء میں چھڑ گئی تو ترکی نے بلاضرورت اس میں جرمنی کا ساتھ دیا اور روسی بندرگاہوں پر حملہ کر کے اپنی طرف سے جنگ کی ابتدا بھی کر دی۔	چنانچہ جب پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء میں چھڑ گئی تو ترکی نے بلاضرورت اس میں جرمنی کا ساتھ دیا اور روسی بندرگاہوں پر حملہ کر کے اپنی طرف سے جنگ کی ابتدا بھی کر دی۔
۸	چنانچہ برطانیہ اور اس کی اتحادی افواج نے ترکی مقبوضات، جن میں فلسطین بھی شامل تھا، کو اپنا ٹارگٹ بنا لیا۔	چنانچہ برطانیہ اور اس کی اتحادی افواج نے ترکی مقبوضات، جن میں فلسطین بھی شامل تھا، کو اپنا ٹارگٹ بنا لیا۔
۹	اب دیکھئے کہ اُس وقت عالم عرب کی صورت حال کیا تھی۔	اب دیکھئے کہ اس وقت عالم عرب کی صورت حال کیا تھی۔
۱۰	۱۵۱۷ء میں عثمانی ترکوں نے مملوک خاندان سے اقتدار چھینا اور فلسطین پر قبضہ کر لیا تھا۔	۱۵۱۷ء میں عثمانی ترکوں نے فلسطین پر قبضہ کر لیا تھا۔
۱۱	اسی دور میں مصر سمیت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی ترکوں کے قبضے میں چلے گئے۔	اسی کے لگ بھگ مصر سمیت مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی ترکوں کے قبضے میں چلے گئے۔

۱۲	عربوں میں قبائلی معاشرت تھی اور ترکوں کا رویہ ان کے ساتھ حاکمانہ تھا۔	عربوں میں قبائلی معاشرت تھی اور ترکوں کا رویہ ان کے ساتھ حاکمانہ تھا۔
۱۳	چنانچہ جگہ جگہ بغاوتیں پھوٹتی رہیں۔	چنانچہ جگہ جگہ بغاوتیں پھوٹتی رہیں۔
۱۴	قوم پرستی کا جذبہ بڑھتا رہا۔	قوم پرستی کا جذبہ بڑھتا رہا۔
۱۵	اور ترک انتہائی بے رحمی کے ساتھ مختلف بغاوتوں کو کچلتے رہے۔	اور ترک انتہائی بے رحمی کے ساتھ مختلف بغاوتوں کو کچلتے رہے۔
۱۶	چنانچہ پورے عالم عرب میں بلحاظ مجموعی ترکوں کے خلاف نفرت کی ایسی فضا پیدا ہوگئی کہ وہ ترکوں کے خلاف ہر طاقت کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار تھے۔	چنانچہ پورے عالم عرب میں بلحاظ مجموعی ترکوں کے خلاف نفرت کی ایسی فضا پیدا ہوگئی کہ وہ ترکوں کے خلاف ہر طاقت کا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار تھے۔
۱۷	چنانچہ جب پہلی جنگ عظیم چھڑی تو برطانیہ نے ترکی کو شکست دینے کے لئے ایک پلان بنایا۔	چنانچہ جب پہلی جنگ عظیم چھڑی تو برطانیہ نے ترکی کو شکست دینے کے لئے ایک پلان بنایا۔
۱۸	اس پلان کے تحت برطانیہ نے ایک طرف دنیا بھر کے یہودیوں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی، جواب بہت مالدار ہو چکے تھے اور جن کے پیسے اور علم وہنر کی برطانیہ کو سخت ضرورت تھی۔	اس پلان کے تحت برطانیہ نے ایک طرف دنیا بھر کے یہودیوں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی جواب بہت مال دار ہو چکے تھے اور جن کے پیسے اور علم وہنر کی برطانیہ کو سخت ضرورت تھی۔
۱۹	دوسری طرف برطانیہ نے ان عرب طاقتوں کی حمایت کا اعلان کیا جو ترکوں سے برسر پیکار تھے۔	دوسری طرف برطانیہ نے ان عرب طاقتوں کی حمایت کا اعلان کیا جو ترکوں سے برسر پیکار تھے۔
۲۰	جس زمانے میں کیمسٹری کا یہودی پروفیسر ڈاکٹر وائنر مین صیہونی تحریک کا سربراہ تھا، اس نے برطانوی حکومت کو چند ایسی ایجادات بنا کر دیں جن سے جنگ میں برطانیہ کا پلہ بھاری ہوگیا۔	کہا جاتا ہے کہ کیمسٹری کا یہودی پروفیسر ڈاکٹر وائنر مین جو اس وقت صیہونی تحریک کا سربراہ تھا، نے برطانوی حکومت کو چند ایسی ایجادات بنا کر دیں جن سے جنگ میں برطانیہ کا پلہ بھاری ہوگیا۔
۲۱	اس کے عوض اس نے برطانوی حکومت سے یہ انعام مانگا کہ وہ یہ وعدہ کرے کہ جنگ عظیم میں کامیابی کی صورت میں فلسطین میں یہودیوں کا ایک قومی وطن قائم کیا جائے گا۔	اس کے عوض اس نے برطانوی حکومت سے یہ انعام مانگا کہ وہ یہ وعدہ کرے کہ جنگ عظیم میں کامیابی کی صورت میں فلسطین میں یہودیوں کا ایک قومی وطن قائم کیا جائے گا۔
۲۲	چنانچہ نومبر ۱۹۱۷ میں وزیر خارجہ لارڈ بالفور نے ایک خفیہ خط کے ذریعے سے یہ وعدہ کر لیا۔	چنانچہ نومبر ۱۹۱۷ میں وزیر خارجہ لارڈ بالفور نے ایک خفیہ خط کے ذریعے سے یہ وعدہ کر لیا۔

۲۳	اس خط کو عرف عام میں اعلانِ بالفور کہا جاتا ہے۔	اس خط کو عرف عام میں ''اعلان بالفور'' کہا جاتا ہے۔
۲۴	برطانیہ کے بالفور معاہدے کا راز ۱۹۱۷ء میں روسی حکومت نے اُس وقت افشا کیا جب جنگ عظیم اول کے درمیان میں ہی روس میں کمیونسٹوں نے زار کا تختہ الٹ کر اپنی حکومت قائم کر لی۔	برطانیہ کے اس معاہدے کا راز ۱۹۱۷ء میں روسی حکومت نے اس وقت افشا کیا جب جنگ عظیم اول کے درمیان میں ہی روس میں کمیونسٹوں نے زار کا تختہ الٹ کر اپنی حکومت قائم کر لی۔
۲۵	اس سے بالکل ناواقف اور اپنے مستقبل سے بالکل ناآشنا عرب ترکوں کی نفرت میں انگریزوں کے گن گا رہے تھے۔	ادھر یہ حال تھا اور ادھر عرب،انگریزوں کے گن گا رہے تھے۔
۲۶	چنانچہ دسمبر ۱۹۱۷ء میں جب برطانوی افواج یروشلم پہنچیں تو تمام شہریوں نے شہر سے باہر آ کر ان کا والہانہ استقبال کیا، حالانکہ اس وقت تک برطانیہ کے یہودیوں سے کئے گئے تمام وعدے سامنے آ چکے تھے۔	دسمبر 1917 میں جب برطانوی افواج یروشلم پہنچیں تو یروشلم کے تمام شہریوں نے شہر سے باہر آ کر ان کا والہانہ استقبال کیا، حالانکہ اس وقت تک برطانیہ کے یہودیوں سے کیے گئے تمام وعدے سامنے آ چکے تھے۔
۲۷	اس کے بعد اگلے تیس برس میں برطانیہ نے فلسطین میں یہودی آباد کاری کے لئے ہر جائز و ناجائز ہتھکنڈوں سے کام لیا۔	اس کے بعد اگلے تیس برس میں برطانیہ نے فلسطین میں یہودی آباد کاری کے لیے جائز و ناجائز ہتھکنڈوں سے کام لیا۔
۲۸	شام اور لبنان میں بیٹھے ہوئے تمام غیر حاضر زمینداروں نے منہ مانگی قیمت پر اپنی زمینیں یہودیوں کو فروخت کر دیں۔	شام اور لبنان میں بیٹھے ہوئے تمام غیر حاضر زمین داروں نے منہ مانگی قیمت پر اپنی زمینیں یہودیوں کو فروخت کر دیں۔
۲۹	ایک بڑی تعداد میں فلسطینیوں نے بھی اپنی زمین یہودیوں کو زیادہ قیمت کے لالچ میں فروخت کر دی۔	بہت سے فلسطینیوں نے بھی اپنی زمین یہودیوں کو بیچ دی۔
۳۰	جب یہودیوں کی آبادی کافی بڑھ گئی تب وہاں کے مسلمانوں کو ہوش آیا اور ۱۹۳۶ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک فلسطینیوں نے برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کی۔	جب یہودیوں کی آبادی کافی بڑھ گئی تب وہاں کے مسلمانوں کو ہوش آیا اور ۱۹۳۶ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک فلسطینیوں نے برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کی۔
۳۱	برطانوی اور یہودی اکٹھے ہو چکے تھے، چنانچہ بغاوت کچل دی گئی۔	مگر اس بغاوت کے مقابلے میں برطانوی اور یہودی اکٹھے تھے، چنانچہ بغاوت کچل دی گئی۔

۳۲	فلسطینی آپس میں تقسیم تھے، جب کہ یہودی پہلے دن سے ہی ایک متحد تنظیم جیوش ایجنسی کے تحت منظم تھے۔	اس وقت بھی فلسطینی آپس میں تقسیم تھے جب کہ یہودی پہلے دن سے ہی ایک تنظیم ''جیوش ایجنسی'' کے تحت منظم تھے۔
۳۳	اس کے ساتھ ہی یہودیوں نے ایک تربیت یافتہ فوج بھی تیار کر لی۔	اس کے ساتھ ہی یہودیوں نے ایک منظم اور تربیت یافتہ فوج بھی تیار کر لی۔
۳۴	یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس مملکت کے قیام کے لئے یہودیوں نے جتنی قربانی دی، اس کی تاریخ میں مثالیں بہت کم ہیں۔	یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس مملکت کے قیام کے لیے یہودیوں نے جتنی قربانی دی، اس کی تاریخ میں مثالیں بہت کم ہیں۔
۳۵	مختلف حکومتوں کے خوف سے بھاگنے والے تو خیر آ ہی رہے تھے، لیکن بہت بڑے مالدار اور نامی گرامی یہودی بھی اپنی آرام دہ زندگی چھوڑ کر فلسطین کے صحراؤں میں آ کر اپنے مستقبل کی مملکت کی تعمیر میں جُت گئے۔	مختلف حکومتوں کے خوف سے بھاگنے والے تو خیر آ ہی رہے تھے، لیکن بہت بڑے لوگ بھی اپنی آرام دہ زندگی چھوڑ کر فلسطین کے صحراؤں میں آ کر اپنے مستقبل کی مملکت کی تعمیر میں جت گئے۔
۳۶	فلسطین میں یہودیوں کی آبادی آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔	فلسطین میں یہودیوں کی آبادی آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔
۳۷	ساری دنیا سے یہودی اپنے مستقبل کے قومی وطن کی خواہش میں یہاں آتے گئے۔	ساری دنیا سے یہودی اپنے مستقبل کے قومی وطن کی خواہش میں یہاں آتے گئے۔
۳۸	دوسری جنگ عظیم کے دوران میں جرمنی سے بھاگ کر آنے والوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا، کیونکہ ایک اندازے کے مطابق ہٹلر نے ساٹھ لاکھ یہودیوں کو قتل کر دیا تھا اور باقی جان بچا کر فلسطین بھاگ آئے۔	دوسری جنگ عظیم کے دوران میں جرمنی سے بھاگ کر آنے والوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا، کیونکہ ایک اندازے کے مطابق ہٹلر نے چھ لاکھ یہودیوں کو قتل کر دیا تھا اور باقی جان بچا کر فلسطین بھاگ آئے۔
۳۹	۱۹۴۸ء میں یعنی اسرائیل کے قیام کے وقت وہاں سات لاکھ اٹھاون ہزار یہودی بس گئے تھے۔	۱۹۴۸ء میں یعنی اسرائیل کے قیام کے وقت وہاں سات لاکھ اٹھاون ہزار یہودی بس گئے تھے۔
۴۰	جب برطانیہ نے دیکھا کہ اب وہاں ایک یہودی وطن بن سکتا ہے تو اس نے اس پورے علاقے کو اقوام متحدہ کے حوالے کر دیا۔	جب برطانیہ نے دیکھا کہ اب وہاں ایک یہودی وطن بن سکتا ہے تو اس نے اس پورے علاقے کو اقوام متحدہ کے حوالے کر دیا۔

۴۱	اس وقت صورت حال یہ بنی کہ امریکہ اور روس سمیت تمام طاقت ور ممالک اسرائیل کے حامی تھے۔	اس وقت صورت حال یہ بنی کہ امریکہ اور روس سمیت تمام طاقت ور ممالک اسرائیل کے حامی تھے۔
۴۲	چنانچہ نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ نے ایک قرار داد کے ذریعے سے فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا۔	چنانچہ نومبر ۱۹۴۷ میں اقوام متحدہ نے ایک قرارداد کے ذریعے سے فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا۔
۴۳	اسرائیل کو کل رقبے کا چھپن فیصد دیا گیا اور فلسطینیوں کو ۴۴٪ فیصد دیا گیا۔	اسرائیل کو کل رقبے کا چھپن (۵۶) فی صد دیا گیا...اور فلسطینی ریاست کو چوالیس (۴۴) فی صد دیا گیا۔
۴۴	یہ آبادی کے لحاظ سے ایک ناجائز تقسیم تھی اس لیے فلسطینیوں اور اردگرد کے عرب ممالک نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔	یہ صریحاً ایک ناجائز تقسیم تھی۔ چنانچہ فلسطینیوں اور اردگرد کے عرب ممالک نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔
۴۵	میرے نزدیک اُس وقت فلسطینیوں اور دیگر عرب ممالک کا یہ انکار حکمت عملی کے لحاظ سے غلط تھا۔	راقم کے نزدیک اس وقت فلسطینیوں اور دیگر عرب ممالک کا یہ انکار ایک غلطی تھی۔
۴۶	دراصل اُس وقت کی تمام بڑی طاقتیں اسرائیلی ریاست کے قیام کے حق میں تھیں۔	اس وقت تمام بڑی طاقتیں اسرائیلی ریاست کے قیام کے حق میں تھیں۔
۴۷	یہودی، مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ طاقت ور اور پرجوش تھے۔	یہودی، مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ طاقت ور اور پرجوش تھے۔
۴۸	اس کے مقابلے میں مسلمان ممالک کمزور اور آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے والے تھے۔	اس کے مقابلے میں مسلمان ممالک کمزور اور آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے والے تھے۔
۴۹	یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قوموں میں سمجھوتے انصاف کی بنیاد پر نہیں زمینی حقائق کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔	سمجھوتا کبھی بھی منصفانہ نہیں ہوا کرتا، بلکہ یہ ہمیشہ عملی ہوا کرتا ہے۔
۵۰	یوں چودہ مئی ۱۹۴۸ء کو آخری برطانوی رجمنٹ کے رخصت ہوتے ہی اسرائیل نے اپنی آزادی کا اعلان کر لیا۔	۱۴ مئی ۱۹۴۸ کو آخری برطانوی رجمنٹ کے رخصت ہوتے ہی اسرائیل نے اپنی آزادی کا اعلان کر لیا۔

۵۱	ہمسایہ عرب ممالک یعنی شام، اردن، مصر اور عراق نے اسرائیل کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے اعلان جنگ کر دیا۔	اس کے بجائے ارد گرد کے چار عرب ممالک شام، اردن، مصر اور عراق نے مل کر اسرائیل کے خلاف اعلان جنگ کرلیا۔
۵۲	لیکن یہ سب ملک آپس میں ایک دوسرے کے بھی دشمن تھے اور ان کے بہت سے کمانڈر ایک دوسرے کی حرکات کے بارے میں اسرائیلیوں کو آگاہ بھی کر رہے تھے۔	یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے بھی دشمن تھے اور ان کے بہت سے کمانڈر اسرائیلیوں سے ملے ہوئے تھے۔
۵۳	چنانچہ نتیجہ بدترین شکست کی صورت میں نکلا اور اسرائیل نے مزید علاقے پر قبضہ کر لیا۔	چنانچہ ان کو شکست فاش ہوئی۔ اسرائیل نے مزید علاقے پر قبضہ کرلیا۔

میں نے عرض کیا تھا کہ بلوچ صاحب کے ”مضمون کا بیشتر حصہ مسروقہ ہے۔“ مجھے امید ہے کہ سرقے کا یہ ثبوت بلوچ صاحب کے مضمون کی اخلاقی اور علمی حیثیت کو واضح کر دے گا۔ جہاں تک تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کا سوال ہے تو ہم اس پر بھی مفصل معروضات پیش کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن ان معروضات میں صاحب مضمون کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کا کام بھی زیر بحث آئے گا، جبکہ ہم یہاں اپنی توجہ بلوچ صاحب کے مضمون ہی پر مرکوز رکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ بلوچ صاحب نے جو ”تاریخ“ خود ادھر اُدھر سے اخذ کر کے لکھی ہے، اس کا ایک نمونہ پیش خدمت ہے۔ لکھتے ہیں:

> معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنے اور انھیں شہید کرنے کی کوشش کے جرم میں یہود اللہ کے عذاب کا شکار ہو گئے۔ جب سلطنت روم بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تو یہودیوں پر عرصہ حیات تنگ ہونے لگا۔ سیاسی طور پر وہ پہلے ہی پس ماندہ تھے لیکن رومیوں کے عیسائی ہو جانے کے بعد ان کو دنیا میں کہیں امان نہ ملی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی پہلی سلطنت ۱۹۴۵ء میں قائم ہوئی۔ یہ بھی اس وقت ممکن ہوا جب انھوں نے عیسائیوں ہی کے ساتھ صلح کی اور ان کی سیاسی اور تمدنی بالا دستی قبول کی۔

اس اقتباس میں متعدد غلطیاں ہیں:

۱۔ پہلے جملے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ایک جرم کی سزا کے طور پر یہود اللہ کے عذاب کا شکار ہو گئے۔ اس سے یوں لگتا ہے کہ بلوچ صاحب کے خیال میں جیسے ہی یہود نے یہ جرم کیا، وہ اللہ کی پکڑ میں آ گئے۔ ایسا نہیں ہے: عذاب اس وقت مسلط نہیں ہوا، بلکہ یہ ارتقاب جرم سے شروع ہو کر قیامت تک جائے گا۔

چنانچہ اگلے ہی جملہ میں لکھتے ہیں: ''جب سلطنت روم بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تو یہودیوں پر عرصہ حیات تنگ ہونے لگا۔'' معلوم ہے کہ سلطنت روم حضرت عیسیٰ پر تین سو برس بعد ایمان لائی، جب قسطنطینِ اعظم نے مسیحیت قبول کر لی۔ اسے یہود پر اللہ کے عذاب کی ابتدا کہا جا سکتا ہے۔ بلوچ صاحب کے جملے ''عرصہ حیات تنگ ہونے لگا'' سے واضح ہے کہ جو عذاب مقدر تھا وہ اب شروع ہوا۔ ''ہونے لگا'' کے الفاظ اس پر صریح ہیں۔

۲۔ پھر فرماتے ہیں: ''رومیوں کے عیسائی ہو جانے کے بعد ان کو دنیا میں کہیں امان نہ ملی۔'' یہ بھی درست نہیں۔ رومیوں کی حکومت پوری دنیا پر پھیلی ہوئی نہ تھی، اور اس کی حدود کے باہر یہودی پُر امن زندگی گزار رہے تھے۔ اس کی مثالیں ساسانی سلطنت میں یہودی آبادیوں اور ان کے تمکن سے پیش کی جا سکتی ہیں (بلوچ صاحب اگر ادیابنے (Adiabene)، عراق، کی تاریخ ہی دیکھ لیتے تو یہ غلطی نہ کرتے)۔

۳۔ پھر فرماتے ہیں: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی پہلی سلطنت سنہ ۱۹۴۵ء میں قائم ہوئی''۔ اس بیان میں دو تاریخی غلطیاں ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ نہ تو اسرائیل کی جدید قومی ریاست حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد یہود کی پہلی سلطنت ہے، اور نہ ہی اسرائیل سنہ ۱۹۴۵ء میں قائم ہوا تھا (اسرائیل سنہ ۱۹۴۸ء میں قائم ہوا)۔ یہودیوں کی ایک سلطنت جدید اسرائیل سے تقریباً انیس سو سال قبل، رومیوں کے خلاف دوسری بغاوت کے دوران قائم ہو گئی تھی (تفصیل کے لیے دیکھیے تاریخِ بارکوخبا)۔

یہ ایک پیراگراف کا حال ہے۔ بقیہ مضمون کو بھی اسی نمونے پر قیاس کر لینا چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بلوچ صاحب کے اس مضمون کا اکسٹھ فیصد حصہ، ڈاکٹر صاحب کی تحریر کا لفظ بہ لفظ سرقہ ہے۔ نیز یہ تاریخی غلط بیانیوں سے مملو ہے۔ نظریاتی و فکری غلطیاں تو ابھی شمار ہی نہیں کیں، جس کے لیے ہم قارئین کو مستند مورخین کے مطالعے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ان تصنیفات میں سر فہرست ایڈورڈ سعید کی تحریریں ہیں۔

اسلامی ادب میں سرقے کی شناعت و تجزیے کی تاریخ

بلوچ صاحب کا یہ سرقہ ہماری امت کی درخشندہ علمی روایت سے بے خبری پر بھی دلالت کرتا ہے۔ ذیل میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ اسلامی تہذیب میں علمی سرقے کی شناعت کو کس حد تک محسوس کیا گیا اور کیسے اس کی ایک مفصل نظریاتی اساس بھی فراہم کی گئی۔ اسلامی ادب میں سرقے کی شناعت اور تجزیے کی تاریخ کو چار عنوانات کے تحت زیر بحث لایا جائے گا:

۱۔ تعارف

۲۔ دور جاہلیت اور صدر اسلام کے شعراء اور ادیبوں کے کلام میں سرقے پر بحث
۳۔ سرقاتِ شعری پر ابتدائی نوعیت کا تنقیدی کام
۴۔ باقاعدہ نظریہ سازی اور تدوینِ فن

۱۔ تعارف

املاک کی چوری کو انسان نے ہمیشہ برا سمجھا ہے، اور تمام انسانی تہذیبیں اسے قابل سزا جرم سمجھتی رہی ہیں۔ جن تہذیبوں میں علمی کام کی ایک تاریخ ہے، وہاں دوسروں کے علمی کام کی تقدیس بھی ایک اہم قدر رہی ہے۔ دوسروں کے علمی کام اور نادر آراء کو اپنے نام سے پیش کرنا اسلامی تہذیب میں بھی ہمیشہ سے ایک برا عمل سمجھا جاتا رہا ہے۔

اسلامی تہذیب میں علمی سرقے پر بحث عموماً ادب، بالخصوص شاعری اور نقد شاعری کے میدان میں کی گئی ہے[۳]۔ ابتدا میں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اسلامی ادب میں سرقے کی اصطلاح بہت وسیع معانی میں استعمال ہوتی رہی ہے، اور ان میں سے اکثر استعمالات پر لفظ "سرقہ" (بمعنی چوری) کا مطلق اور لغوی اطلاق نہیں ہوتا۔ یہ ادبی صنائع کی شکلیں ہیں جنہیں مجازاً سرقہ قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے تنقیدی ادب میں سرقہ یعنی کسی دوسرے ادیب، شاعر، یا عالم کے کام کے استعمال کی دو بنیادی شکلیں ہیں: معنی یا موٹیف (motif) کا سرقہ اور لفظ اور فارم (form) کا سرقہ۔ لفظی سرقے کا مطلب تو واضح ہے کہ الفاظ ہی کا سرقہ کر لیا جائے۔ البتہ معنی کے سرقے کی مختلف شکلیں ہیں۔ جرجانی نے "الوساطہ" میں اس اعتبار سے معنی کی تین اقسام بیان کی ہیں: معانی عامہ، معانی مبتذلہ، اور معانی مختصّہ[۴]۔ معانی عامہ تمام شعراء کے ہاں مشترک ہوتے ہیں اور ایک شعری اور ادبی روایت کا حصہ ہوتے ہیں۔ بہادر آدمی کو تلوار یا شیر سے تشبیہ دینا، ایک خوبصورت عورت کو سورج یا چاند سے تشبیہ دینا، اور عورت

۳۔ ابو اُمامہ نے روایت کیا ہے: كَانَ يُقَالُ: سَرِقَةُ الْعِلْمِ أَشَدُّ مِنْ سَرِقَةِ الْمَالِ. یہ کہا جاتا تھا کہ علم کا سرقہ مال کے سرقے سے زیادہ شنیع ہے (ابو احمد بن عدی جرجانی، الکامل فی ضعفاء الرجال، بیروت: الکتب العلمیہ، سنہ ۱۹۹۷ء، جلد: ۱، ص: ۲۵۹)۔ مقامات حریری میں ہے: واستِراقُ الشّعرِ عندَ الشّعراء. أفظَعُ منْ سرِقَةِ البَيْضاء والصّفْراء. وغَيرَتُهُمْ على بَناتِ الأفكارِ. كغيرَتِهِمْ على البَناتِ الأبكارِ۔ شعراء کے نزدیک ان کے اشعار کو چرا لینا ان کے مال و دولت لوٹ لینے سے زیادہ سنگین ہے۔ وہ اپنی فکری اولاد (شاعرانہ تخلیقات) کے بارے میں اپنی کنواری بیٹیوں سے زیادہ غیرت کے جذبات رکھتے ہیں (ابو محمد قاسم بن علی حریری، مقامات الحریری، بیروت: مطبعۃ المعارف، سنہ ۱۸۷۳ء، ص: ۲۲۲)۔

۴۔ ابوحسن علی بن عبد العزیز قاضی جرجانی، الوساطۃ بین المتنبی وخصومہ (مصر: مطبعۃ عیسی البابی الحلبی، سنہ ۱۹۶۶ء)، صفحات: ۱۸۳ تا ۲۰۸۔

کے گالوں کو گلاب کے پھول سے تشبیہ دینا، معانی عامہ کی مثالیں ہیں۔ معانی مبتذلہ بھی ایک لسانی گروہ کی مشترک میراث ہوتے ہیں اور کسی خاص شخص کی اختراع شمار نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے کہ شروع میں کسی ایک شخص کی اختراع ہوگی، مگر پھر زباں زد عام ہو گئے۔شعراء اور ادیب ان کو استعمال میں لاتے رہے یہاں تک کہ یہ معانی پامال ہو گئے۔ اونٹ کی تشبیہ ایک بڑی مضبوط عمارت سے دینا یا نوجوان لڑکی کی تشبیہ ایک ہرن سے دینا معانی مبتذلہ کی مثالیں ہیں۔معانی مختصّہ سے مراد کوئی ایسا تصور یا شاعرانہ خیال ہے جو ناقدین کے علم کے مطابق ایک متعین شخص سے پہلے کسی نے پیش نہیں کیا۔ اس کی مثال امرء القیس کے درج ذیل شعر میں یہ تشبیہ ہے:

سَمَوْتُ إليها بعد ما نام أهلُها سموَّ حَبابِ الماءِ حالاً على حال

جب اس کے گھر والے سوچکے تو میں اس کی طرف اس طرح آہستہ آہستہ بڑھا جیسے پانی کے بلبلے حرکت کرتے ہیں۔[۵]

تمام شعراء اور ناقدین اس تشبیہ کو امرء القیس کی تخلیق جانتے اور مانتے ہیں۔

پہلے سے مستعمل ادبی معانی اور الفاظ کو استعمال میں لانے کی جو صورتیں بیان کی گئی ہیں، اور اس کے لئے جو مختلف اصطلاحات مروج ہیں، ان میں کچھ تو واضح سرقے کے قریب ہیں جیسا کہ سرقے کے علاوہ انتحال، اغارۃ، مرافدۃ، نسخ وغیرہ[۶]۔ کچھ استعمالات ایسے ہیں جنہیں سرقے کی اقسام میں شامل تو کیا گیا ہے، مگر ان کا سرقہ ہونا زیر بحث آ گیا ہے۔ اسے یا تو روایت شعری کا استعمال کہیں یا تناصّ/بین المتنیت (intertextuality) کا مظہر۔ اس طرح کی چند اہم اصطلاحات یہ ہیں: نقل، المام اور ملاحظہ، موازنہ، احتذاب وترکیب، کشف المعنی،مجدود، اختلاس، موارده، اہتدام، اور اصطراف وغیرہ[۷]۔ چونکہ ابتدائی دور کے علماء کچھ اصطلاحات کو خاص معنی میں استعمال کرتے رہے ہیں، لہذاان کے استعمالات میں بہت خلط واقع ہوگیا ہے۔ ایک اصطلاح ایک ناقد کے ہاں ایک معنی میں استعمال ہوئی،اور دوسرا اُسے کسی اور پہلو سے پیش کر دیتا ہے۔ یہ صورت حال اس وقت تک قائم رہی جب تک فن کی تدوین مکمل نہیں ہوگئی۔

۵۔ امرء القیس، دیوان (بیروت: دار المعرفۃ، سنہ ۲۰۰۴ء)، ص:۱۳۷۔

۶۔ ابو علی حسن بن رشیق قیروانی، العمدۃ فی محاسن الشعر وآدابہ (بیروت: دار الجیل، سنہ ۱۹۸۱ء)، جلد: ۲، ص:۲۸۲۔

۷۔ ابن رشیق، العمدۃ فی محاسن الشعر وآدابہ، جلد:۲، ص :۲۸۲۔

۲۔سرقہ دور جاہلیت اور صدر اسلام کےشعراء اور ادیبوں کے کلام میں

علمی سرقے کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ جب تک تحریر رائج نہیں ہوئی اور علم کے انتقال کا ذریعہ صرف زبانی اور قولی تھا اس عمل پر اتنی گرفت ممکن نہیں تھی۔ اس کے باوجود علمی اور ادبی کام کا سرقہ ایک بہت برا عمل سمجھا جاتا تھا۔ظہور اسلام سے قبل کے عرب شعراء اس بات کی نفی کرتے نظر آتے ہیں کہ وہ اس قبیح کام میں ملوث ہیں۔طرفہ بن عبد کہتا ہے:

ولا أغيرُ على الأشعارِ أسرقُها　　عنها غنيتُ، وشرُّ الناسِ من سَرَقا

میں شعر سرقہ کر کے نہیں ہتھیاتا، میں اس سے مستغنی ہوں۔ چوری کرنے والا انسان سب سے برا ہوتا ہے۔[۸]

اس سے ظاہر ہے کہ جس ادبی ماحول میں طرفہ کلام کر رہا ہے،اس میں سرقے کا ارتکاب ا)بہت برا تصور کیا جاتا ہے، اور ب) اچھے شاعر اس اتہام سے براءت کا اعلان کرتے ہیں، جیسا کہ طرفہ نے کیا ہے۔ اسی طرح دربار نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر، حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لا أسرقُ الشعراءَ ما نطقوا　　بل لا يوافق شعرهم شعري

میں شعراء کا کلام چوری نہیں کرتا جو وہ کہہ چکے ہیں، بلکہ انکے شعر تو میرے شعروں کی طرح نہیں ہیں۔[۹]

اس شعر میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے شاعرانہ کمال کی طرف اشارہ کیا ہے، اور نہ صرف سرقہ کرنے سے براءت کا اظہار کیا ہے بلکہ یہ دعوی بھی کیا ہے کہ ان کی شاعری دوسرے شعراء کے کلام سے اعلیٰ ہے۔ جاہلی، مخضرم، اسلامی اور مولّد شعراء میں سے بہت سے اہم نام ہیں جنہوں نے اسی طرح اپنے شاعری میں سرقے کا انکار کیا ہے، بلکہ اس بات کا گلہ کیا ہے کہ دراصل دوسرے ان کا کلام چراتے ہیں۔ تفصیل طوالت میں لے جائے گی لہذا جاہلی اور مخضرم شعراء کے کلام سے انہی مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر معاشرے میں جرم بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح ادبی میدان کے تمام شاہسوار فن کے اصولوں پر کاربند اور اخلاقی معیار پر جازم نہیں ہوتے۔ مگر ہمارا مقصد محض اس بات پر زور دینا ہے کہ صدر اسلام ہی سے معاشرہ ادبی سرقے کی شناعت کو جانتا تھا اور اس معاملے میں بہت حساس تھا۔ یہ حساسیت بعض اوقات افراط و تفریط کی حد تک چلی جاتی ہے۔

۸۔ اغارۃ الشعر کے لغوی اور اصطلاحی معانی پر اسی مضمون میں آگے بات کی جائے گی۔

۹۔حسان بن ثابت الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دیوان (بیروت: دار الکتب العلمیہ،سنہ ۱۹۹۴ء)، ص: ۱۰۵۔

کچھ علماء تو اخذ و استفادہ کی معروف صورت اور شعری روایت کو بھی اس ذیل میں لے آئے۔[۱۰]

ابتدائی اسلامی دور کے دو بڑے شاعروں، جریر اور فرزدق کے مابین ہجو اور مفاخرت میں مقابلہ بہت معروف ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے پر اشعار چرانے کا الزام لگاتے تھے۔ فرزدق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نے متعدد ہم عصر شعراء کے کلام کو اپنے نام سے پیش کر دیا۔ ایک دفعہ فرزدق نے جمیل کو یہ شعر کہتے ہوئے سنا:

ترى الناس ما سرنا يسيرون خلفنا وإن نحن أومأنا إلى الناس وقفوا

تم دیکھو گے کہ جب تک ہم چلتے ہیں تو لوگ ہمارے پیچھے چلتے ہیں۔ یہ ہم ہی ہیں جن کے اشارے پر لوگ رک جاتے ہیں۔

اس پر فرزدق نے کہا: ”بنو عذرۃ میں اقتدار کب سے آیا ہے؟ یہ تو مضَر کی میراث ہے، اور میں مضَر کا شاعر ہوں۔“ یوں فرزدق نے یہ شعر ہتھیا لیا۔ البتہ جمیل نے یہ شعر اس کے نام نہیں کیا،اور اپنے دیوان میں باقی رکھا۔ لہٰذا یہ شعر اب بھی اس کے دیوان میں شامل ہے[۱۱]۔

۱۰۔ ہر فن کے آغاز میں افراط و تفریط بھی ہوتی ہے اور تدوینِ فن میں وقت لگتا ہے۔ اس وجہ سے شروع کے کچھ نقادوں نے بہت فراخی سے کام لیا اور سرقے کی بعض صورتوں کو سرقہ شمار نہیں کیا۔ اسی طرح کچھ دوسرے علماء نے ان چیزوں پر بھی سرقے کا اطلاق کیا جو اس ذیل میں نہیں آتیں۔ اس دوسرے عمل کی مثال مہلہل بن یموت کی ابو نواس پر تنقید ہے۔ مہلہل نے اپنی کتاب سرقات ابی نواس میں اس شاعر کا یہ شعر نقل کیا ہے:

دَعْ عنك لومي فإنَّ اللوم إغراءُ وداوني بالتي كانتْ هي الداءُ

مجھے ملامت کرنا چھوڑو، یہ اسی کام پر اکساتی ہے [جس کی وجہ سے تم مجھے ملامت کرتی ہو]۔ [اس کی بجائے] میرا علاج اسی [شراب] سے کرو جو میری [اصل] بیماری ہے۔

مہلہل نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ شعر اعشیٰ سے چرایا گیا ہے جو کہتا ہے:

وكأسٍ شربت على لذة وأخرى تداويتُ منها بها

ایک جام میں نے لذت کے لئے پیا اور دوسرا [اس نشے] کے علاج کے لئے جو اس سے لاحق ہوا (مہلہل بن یموت، سرقات ابی نواس، قاہرہ: دار الفکر العربی، سنہ ۱۹۵۷ء، ص: ۷۰)۔ مہلہل کہتا ہے کہ ”داوني بالتي كانت هي الداء“ اصل میں ”تداويت منها بها“ سے مسروق ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عام تجربے کی بات ہے اور دونوں شاعر اس بات کو محسوس کر سکتے تھے اور اس طرح اس کو بیان بھی کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں ابن قتیبہ نے اس بارے میں لکھا ہے: ”ابو نواس نے اس معنی میں اچھا اضافہ کیا ہے جو شعر کے آغاز اور اختتام دونوں میں ظاہر ہوا ہے۔ اعشیٰ کی برتری اس میں ہے کہ اس نے یہ معنی سب سے پہلے نظم کیا۔ ابو نواس کی فضیلت اس میں ہے کہ اس نے اس میں قیمتی اضافہ کیا (ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبۃ دینوری، الشعر و الشعراء، قاہرہ: دار الحدیث، سنہ ۱۴۲۳ھ، ص: ۱۳)۔

۱۱۔ ابن رشیق، العمدۃ فی محاسن الشعر وآدابہ، جلد: ۲، ص:۲۸۵۔

خود فرزدق نے بڑے زور شور سے اس تہمت کی نفی کی ہے کہ وہ سرقے کا مرتکب ہوا ہے۔ بلکہ وہ اپنے مخالف شاعر جریر کو مخاطب کر کے بڑے فخر سے بتاتا ہے کہ اس کے پیچھے شعری اور ادبی روایت کا ایک بھرپور سلسلہ ہے، جس سے وہ فیض یاب ہوا ہے جبکہ جریر واضح سرقے کا ارتکاب کرتا ہے:

وهبَ القصائدَ لي النَّوابِغ إذُ مضَوْا   وأَبو يَزيدَ وذُو القُرُوْحِ وجَرْوَلُ
والفحلُ علقمةُ الذَّي كَانتْ له   حُلَلُ المُلْوكِ كَلامُهُ لا يُنْحَلُ
وأَخو بنَي قيْسٍ وهنَّ قتلنَهُ   ومُهلْهِلُ الشُّعراءِ ذاكَ الأَوَّلُ
والأعشَيانِ كلاهُما ومُرقشٌ   وأَخو قُضاعةَ قوْلُهُ يُتمثلُ
وأَخُو بَني أَسَد عبيدٌ إذْ مَضَى   وأَبو دُؤادٍ قولُه يُتنحلُ
وابْنا أَبِي سُلْمَى زُهَيْرٌ وابنُهُ   وابنُ الفُريعةِ حينَ جَدَّ المقولُ
والجعفريُّ وكانَ بِشْرٌ قبلهُ   لِي مِنْ قصائِدِهِ الكتَابُ المُجملُ
[----]
إنَّ استراقَكَ يا جَريرُ قصائدي   مِثلُ ادِّعاءِ سَوىَ أَبيكَ تنقلُ

ماضی کے (عظیم شعراء) --جن میں نوابغ[۱۲]، ابو یزید،[۱۳] ذو القروح،[۱۴] اور جرول[۱۵] (شامل ہیں)-- نے اپنے قصائد مجھے ہبہ کئے ہیں۔ (اسی طرح) عظیم شاعر علقمہ نے بھی جو بادشاہوں جیسی پوشاک پہنتا تھا اور جس کا کلام چوری نہیں کیا جا سکتا تھا[۱۶]۔ اور بنو قیس کے بھائی نے بھی اور، طرفہ بن عبد، جسے اس کے شعروں نے مروایا اور اول الشعراء مہلہل[۱۷] نے بھی۔ اور دونوں اعشاؤں (اعشیٰ بنی قیس اور اعشیٰ باہلہ) نے بھی، اور مرقش اور قضاعہ کے بھائی (ابو طمحان قینی) نے بھی، جس کی بات زباں زد عام ہے۔ اسی طرح بنو اسد کے بھائی عبید (بن ابرص بن جشم)، اور ابو دُؤاد (جاریہ بن حمران) نے جس کی بات بعض لوگ اپنے نام سے پیش کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ابو سُلمیٰ کے بیٹے زُہیر اور

۱۲۔ النوابغ سے مراد بنو ذبیان کے نابغہ اور جعدی، اور بنو شیبان کے نابغہ ہیں۔

۱۳۔ ابو یزید مخبل ربیعہ بن مالک بن ربیعہ بن قتال بن انف الناقہ۔

۱۴۔ ذو القروح امرء القیس بن حجر۔

۱۵۔ جَرْوَل دراصل حطیہ کا لقب ہے۔

۱۶۔ کلامه لا ینحل سے مراد یہ ہے کہ اس کی شاعری اتنی شان دار ہے کہ پہچانی جاتی ہے۔ اگر کوئی اس کا شعر اپنے کلام میں داخل کرتا ہے تو نظر آ جاتا ہے کہ ہیرہ سنگریزوں میں کہیں اور سے لا کر ڈال دیا گیا ہے۔

۱۷۔ مہلہل بن ربیعہ بن حارث۔

> اس کے فرزند (کعب) کے علاوہ ابن فریعہ (حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ)، جن کا کلام بہترین تھا، اور (لبید بن ربیعہ) جعفری اور ان سے پہلے گزرے بشر (بن ابو خازم اسدی) نے بھی، جن کے قصائد کی ایک خوبصورت کتاب میرے پاس ہے۔ [---] اور تم اے جریر، تم تو میرے قصائد بھی ایسے ہی چراتے ہو جیسے تم حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کو اپنا باپ بتاتے ہو۔ [۱۸]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی دور کے شعراء اور ادیب سرقے اور شعری اور ادبی ورثے سے فیض اُٹھانے میں فرق کا شعور رکھتے تھے۔

۳۔سرقات شعری پر ابتدائی نوعیت کا نقد

صدر اسلام ہی سے علماء نے ادب اور تنقید کے میدان میں بھی گراں قدر پیش رفت کی۔ یہ نقاد مختلف شعراء اور ادیبوں کے محاسن کا موازنہ کرتے ہوئے علمی اور ادبی سرقے پر بہت عمدہ کام سامنے لائے۔ البتہ سرقے کے بارے میں تفصیلی کام اور نظریہ سازی سے قبل ہمیں کچھ انفرادی تبصرے اور متعین شعراء کے کام پر بحثیں ملتی ہیں۔ ان بحثوں میں بھی سرقات کے بارے میں کلام ملتا ہے۔ کچھ کتب تو صرف متعین شعراء کے سرقات کے لیے وقف کی گئیں [۱۹]۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا حوالہ جو ہمیں ملا ہے، وہ ابن مقفع (م۔ ۱۴۲ھ) کا وہ قول ہے جو اس نے اپنی کتاب الادب الصغیر و الادب الکبیر میں لکھا ہے:

> لا تنتحلْ رأي غيرك: إن سمعت من صاحبك كلامًا، أو رأيت منه رأيًا يعجبك، فلا تنتحله تزيناً به عند الناس، واكتفِ من التزين بأن تجتني الصواب إذا سمعته، وتنسبه إلى صاحبه.واعلم أن انتحالك ذلك مسخطة لصاحبه، وأن فيه مع ذلك عارًا وسخفًا. فإن بلغ بك

۱۸۔ابو عبیدہ معمر بن مثنی، شرح نقائض جریر والفرزدق (ابو ظبی، الامارات : المجمع الثقافی، سنہ ۱۹۹۸ء)، جلد:۲، صفحات: ۲۸۵ تا ۶۔

۱۹۔ جو کتب متعین شعراء کے کام، تاریخ، اور سرقات پر بحث کرتی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں: صولی (م۔ سنہ ۲۳۵ھ)، اخبار ابی تمام؛ ابن سکیت (م۔ سنہ ۲۴۳ھ)، کتاب السرقات الشعراء و ماتفقوا علیہ؛ ابن بکار (م۔ سنہ ۲۵۶ھ)، سرقات کثیر؛ ابن قتیبہ (م۔ سنہ ۲۷۶ھ)، الشعر والشعراء؛ ابن ابی طاہر طیفور (م۔ سنہ ۲۸۰ھ)، کتاب المولفین، سرقات الشعراء،اورسرقات البحتری من ابی تمام؛ ابن معتز (م۔سنہ ۲۹۶ھ)، طبقات الشعراء؛ ابن طباطبا (م۔سنہ ۳۲۲ھ)، معیار الشعر؛مہلہل بن یموت (م۔ سنہ ۳۳۴ھ)، سرقات ابی نواس؛ ابو ضیاء بشر بن یحیی (م۔ سنہ ۳۳۵ھ)، سرقات البحتری من ابی تمام اور کتاب سرقات الکبیر۔

ذلك أن تشير برأي الرجل وتتكلم بكلامه وهو يسمع جمعت مع الظلم قلة الحياء، وهذا من سوء الأدب الفاشي في الناس.

دوسروں کی آراء کو اپنے نام سے پیش نہ کرو۔ اگر تم اپنے کسی ساتھی کا کلام سنو جو تمہیں بھائے یا اس کی کوئی رائے تمھیں پسند آ جائے، تو اسے اپنے نام سے پیش کرنے نہ لگ جانا کہ لوگوں کے درمیان تمہاری منزلت بڑھے۔ اپنی تہذیب کے لیے بس اتنا کرو کہ جب تم ایک درست بات سنو تو اسے چن لو اور اسے اس کے قائل کی طرف منسوب کرو۔ جان لو کہ دوسرے کے (کلام یا رائے) کو اپنے نام سے پیش کرنا تمہارے ساتھی کو ناراض کر دے گا۔ مزید برآں ایسا کرنا باعثِ عار اور کم عقلی ہے۔ اگر انسان اس حد تک چلا جائے کہ دوسرے آدمی کی آراء کو اپنی رائے کے طور پر پیش کرے، اور اس کے کلام کو اس کی موجودگی میں استعمال کرے تو اس میں دو برائیاں جمع ہو جاتی ہیں: ظلم اور حیاء باختگی۔ یہ وہ بے ادبی ہے جو لوگوں میں رائج ہے۔[۲۰]

اصمعی (م۔ ۲۱۶ھ) عربی ادب اور شاعری کی روایت اور تنقید میں بہت بڑا نام ہے۔ اس نے اپنی مختصر کتاب "فحولۃ الشعراء" میں کہا ہے کہ فرزدق کی شاعری کا نوے فیصد کلام سرقہ ہے۔ اسی طرح اس نے امرء القیس کے بارے میں بھی کہا کہ اس کی شاعری کا کچھ حصہ ان صعالیک کا کلام ہے جو اس کی معیت میں ہوتے تھے۔ البتہ مرزبانی نے اصمعی کی اس بات پر تنقید کی ہے اور کہا ہے:

وهذا تحامل شديد من الأصمعى وتقوّل على الفرزدق لهجائه باهلة، ولسنا نشكّ أنّ الفرزدق قد أغار على بعض الشعراء فى أبيات معروفة، فأما أن نطلق أنّ تسعة أعشار شعره سرقة فهذا محال، وعلى أنّ جريرا قد سرق كثيرا من معانى الفرزدق، وقد ذكرنا ذلك فى أخبار الفرزدق

یہاں اصمعی نے بہت تعصب کا مظاہرہ کیا ہے اور فرزدق پر افترا باندھا ہے۔[اس تعصب کی وجہ یہ ہے کہ] فرزدق نے باہلہ قبائل کی ہجو کی تھی۔ اس میں شک نہیں ہے کہ فرزدق نے کچھ شعراء کے معروف اشعار ہتھیا لئے۔ البتہ یہ کہنا کہ فرزدق کی نوے فیصد شاعری سرقہ ہے، امر محال ہے۔ اس کے علاوہ جریر نے بھی فرزدق سے بہت کچھ معنوی سرقہ کیا ہے جیسا کہ ہم نے فرزدق کی تاریخ میں ذکر کیا۔ [۲۱]

۲۰۔ عبد اللہ بن مقفع، کتاب الادب الصغیر و الادب الکبیر (بیروت: دار صادر، سنہ ۱۳۴۲ھ)، ص: ۹۸۔

۲۱۔ ابو عبید اللہ بن محمد بن عمران بن موسیٰ مرزبانی، الموشح فی مآخذ العلماء علی الشعراء (بیروت: دار الکتب

خاص طور پر سرقات شعری پر ابتدائی نقد تیسری صدی میں سامنے آنا شروع ہوا۔ ہمارے علم کے مطابق اس سلسلے کی سب سے پہلی کتاب ابو محمد عبد اللہ بن یحییٰ بن کناسہ (م۔ سنہ ۲۰۷ھ) کی سرقات الکمیت من القرآن و غیرہ ہے۔ اس کے بعد ابن سِکّیت (م۔ سنہ ۲۴۰ھ) کی تالیف سرقات الشعراء و ما اتفقوا علیه ہے۔ پھر اس کے فوراً بعد زبیر بن بکار قرشی (م۔ سنہ ۲۵۶ھ) کی کتاب اغارۃ کثیر علی الشعراء سامنے آئی۔ البتہ یہ اور اس طرح کی دیگر کتب کسی خاص منہج کے مطابق نہیں لکھی گئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتب سرقے کے موضوع پر کوئی مربوط فکری تناظر پیش نہیں کرتیں بلکہ شعراء کے ہاں سرقے کی چند مثالوں سے بحث کرتی ہیں۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے سرقات الکمیت من القرآن کلام اللہ سے مستعار معانی پر شاعری کرنے کے عمل کو زیر بحث لاتی ہے۔ البتہ ابوفضل احمد بن طاہر طیفور (م۔ سنہ ۲۸۰ھ) کی کتاب سرقات الشعراء سرقے کے عمل کو ایک وسیع تناظر میں دیکھنے کی پہلی کوشش معلوم ہوتی ہے۔ اس صدی میں مختلف اصنافِ ادب کی تنقیدوں میں بہت مفصل اور سیر حاصل نہ سہی جزوی بحث ضرور ملتی ہے۔ ان اصناف میں طبقات اور تراجم، ادب، نقد، بلاغت، اور اعجاز القرآن نمایاں ہیں۔ ان کتب میں آثار ملتے ہیں کہ سرقے کی تعریف، اقسام، اور نوعیت پر کلام ہونا شروع ہو گیا۔ مثال کے طور پر طبقات کی صنف میں محمد بن سلام جمحی (م۔ سنہ ۲۳۲ھ) کی کتاب "طبقات فحول الشعراء" میں سرقے کے بارے میں کچھ ابتدائی نظریہ سازی کا عمل نظر آتا ہے۔ اس مصنف نے سرقے کی تاریخ کے بیان کو جاہلی دور سے شروع کیا۔ سرقے کی اقسام میں اقتباس اور تضمین کو پہلی بار متعین کیا۔ اسی طرح اس نے سرقے کی بحث میں اختلاف الروایہ کا کردار اور معنی مشترک کی بحث کو بھی اٹھایا ہے۔ معنی مشترک کے بارے میں اس نے لکھا ہے کہ "امرء القیس تمام عربوں میں پہلا شاعر ہے جس نے ایسی ادبی صنائع بدائع کو وضع کیا جو لوگوں نے پسند کیں، اور بعد کے شعراء نے انہیں اختیار کیا۔ مثلاً شعر میں اپنے ساتھیوں کو ٹھیرنے کا کہنا، دیارِ گریہ کا مضمون، عورت کو ہرن سے تشبیہ دینا وغیرہ شامل ہیں" [۲۲]۔

اسی طرح ابن قتیبہ نے اپنی کتاب، الشعر و الشعراء، میں سرقے کے موضوع سے معمولی مگر اہم تعرض کیا ہے۔ ابن سلّام نے معنی مشترک پر کلام کیا تھا۔ ابن قتیبہ نے اس پر مفید اضافے کیے۔ اس نے سرقہ خفی کی طرف بھی اشارہ کیا۔ امرء القیس کے شعر "و له ایطلا ظبي و ساقا نعامة" کے محاسن کے شیوع پر یہ تبصرہ کیا: "معذل نے اس معنی کو سب سے زیادہ مخفی طریقے سے اخذ

العلمیہ، سنہ ۱۹۹۵ء)، ص: ۱۳۵۔

۲۲۔ محمد بن سلّام جمحی ابو عبد اللہ، طبقات فحول الشعراء (جدہ: دار المدنی، تاریخ ندارد)، جلد:۱، ص: ۵۵۔

کیا ہے" [۲۳]۔اسی طرح ابن قتیبہ کو یہ شعور بھی ہے کہ معنی اخذ کر کے نیا شاعر اس میں کچھ خوبصورت اضافہ بھی کرتا ہے۔ ابن قتیبہ نے معنوی اور لفظی سرقے کے فرق کو بھی بیان کیا ہے۔ اس نے معنوی اور لفظی سرقے کے علاوہ نہج اور طریقے کے سرقے پر بھی بات ہے۔عموماً وہ سرقے کے بجائے سلخ اور اخذ کا لفظ اختیار کرتا ہے، مگر جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا اس نے سرقے کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔

اسی طرح ابو بکر محمد بن یحییٰ صولی (م۔ سنہ ۳۳۵ھ) کی کتاب اخبار ابی تمام بھی اس بحث میں اہمیت کی حامل ہے۔ اس نے سرقات کی تین اقسام بیان کیں:

۱۔صرف لفظ کا سرقہ،

۲۔صرف معنی کا سرقہ، اور

۳۔ لفظ اور معنی دونوں کا سرقہ۔

مزید برآں اس نے یہ بات بھی واضح کی کہ اگر ایک متاخر شاعر متقدم شاعر کے لفظ یا معنی کو اختیار کرتا ہے، اس میں اضافہ کرتا ہے اور تکمیل کر دیتا ہے تو وہ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ مضمون کو اس کی تخلیق قرار دیا جائے[۲۴]۔ اگر دو شاعروں کے کلام میں ایک ہی لفظ یا معنی یا دونوں چیزوں کا اشتراک پایا جائے تو تخلیق کا حقدار وہ شاعر قرار پائے گا جو پہلے ہو گزرا ہو۔ اگر دونوں معاصر ہوں تو دونوں میں سے وہ شاعر اس کلام کا خالق قرار پائے گا جس کے دیگر کلام سے یہ شعر یا اشعار مطابقت رکھتے ہوں۔صولی نے یہ قاعدہ بھی وضع کیا کہ اگر ایک معنی ایک ہی شعر میں بیان ہو گیا اور بعد میں آنے والے شاعر نے اس میں اضافہ کیا اور اس کی تکمیل تو کی مگر یہ کام دو اشعار میں کیا،تووہ اس عمل کی داد نہیں پائے گا۔ اسی طرح صولی وہ پہلا شخص ہے جس نے سرقے کی ایک قسم کے لئے نسخ اور اس کی ایک دوسری قسم کے لئے المام کی اصطلاحات استعمال کیں۔

۴۔ تدوین فن اور باقاعدہ نظریہ سازی

ادبی تنقید سے متعلق کتب کے ان چند نمونوں سے یہ واضح ہو گیا کہ چوتھی صدی تک علمی اخذ اور سرقے کی بحث آگے بڑھتی نظر آتی ہے۔ اس صدی کے آخر تک یہ فن اپنے عنفوان شباب کو پہنچا۔ اس ضمن میں علماء نے باقاعدہ نظریہ سازی کی اور سرقات کی اقسام کو بیان کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ کس کلام کو سرقہ کہا جا سکتا ہے اور کس کلام کو جائز اور ضروری اخذ و استعمال کہا جاتا ہے۔ اس ضمن میں کئی نام

۲۳۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے: ان أشدّهم إخفاء لسرقة القائل، وهو المعذّل۔ (مسلم بن قتیبۃ، الشعر و الشعراء، جلد: ۱، ص: ۱۳۴۔)

۲۴۔ ابو بکر محمد بن یحیی صولی، اخبار ابی تمام (قاہرہ: لجنة التالیف و الترجمة و النشر، سنہ ۱۹۳۷ء)، ص:۱۷۔

لئے جا سکتے ہیں مگر درج ذیل اہم ہیں:

۱۔ قاضی جرجانی (م۔ سنہ ۳۶۶ھ)، الوساطة بين المتنبي و خصومه،

۲۔حسن بن بشر آمدی (م۔ سنہ ۳۷۱ھ)، الموازنة بين ابی تمام و البحتری، اور الخاص والمشترک،

۳۔ حاتمی (م۔ سنہ ۳۸۸ھ)، حلية المحاضرة، الرسالة الموضحة في ذكر سرقات المتنبي وساقط شعره اور الرسالة الحاتمية في ما وافق أرسطو من شعر المتنبي، اور

۴۔ ابو ہلال عسکری (م۔ سنہ ۳۹۵ھ)، کتاب الصناعتین۔

ان تمام علماء نے سرقات شعری کے مختلف پہلوؤں پر کلام کیا ہے اور باقاعدہ نظریہ سازی کی ہے۔ مگر ہم صرف حاتمی کے نظریے پر بات کریں گے۔ حاتمی نے پہلے سے مستعمل اصطلاحات کو واضح کیا اور کچھ نئی اصطلاحات بھی وضع کیں۔ ایک صدی بعد ابن رشیق قیروانی (م۔ سنہ ۴۶۳ھ) نے حاتمی کے کام پر قیمتی اضافے کیے۔ اس طرح ہمارے سامنے ایک مکمل شکل میں ساری بحث رکھ دی۔ ہم حاتمی کے کام کو ابن رشیق کی نظر سے دیکھیں گے جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اس وقت تک اس فن میں کس درجے کا وضوح اور کمال حاصل ہو چکا تھا۔ ابن رشیق پر بحث کا مدار اس لئے بھی اہم ہے کہ اس کی پچھلے کام پر بھی نظر ہے اور وہ کوئی اہم مبحث ترک نہیں کرتا۔

ابن رشیق نے سرقے کے بارے میں درج ذیل بنیادی باتیں پیش کیں:

۱۔ کوئی بھی شاعر یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ وہ سرقے سے مکمل پاک ہے۔

۲۔سرقہ صرف ایک شاعر کی تخلیق سے کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شاعر ایسے مشترک معانی استعمال کرتا ہے، جو زباں زدِ عام ہیں تو اسے سرقہ نہیں کہا جائے گا۔

۳۔ جو شخص کسی دوسرے کے کلام کو بعینہٖ استعمال کر لیتا ہے وہ سارق ہے۔ اگر وہ الفاظ کو، جزواً ہی سہی، بدل دے (اور صرف معنی کو استعمال کرے) تو اسے سلخ کہیں گے۔ اگر وہ (الفاظ کو بدل دے) اور معنی میں بھی تبدیلی لے آئے تا کہ اخذ مخفی ہو جائے یا اس کے استعمال کا محل بدل دے تو یہ اس کی ذہانت کا مظہر ہے، اور سرقہ نہیں ہے۔

۴۔ ابن رشیق کے نزدیک فضیلت اسی شاعر کو حاصل ہے جو کلام کو سب سے پہلے پیش کرتا ہے۔ اس کا درجہ قائم رہتا ہے۔ البتہ اگر ایک شاعر پہلے سے کئے گئے کلام میں سے ایک معنی کو اٹھا کر بہتر کر دیتا ہے، مثلاً ایک طویل بات کو ایجاز سے بیان کر دیتا ہے، الجھے ہوئے کلام کی جگہ سادہ بیان لے آتا ہے، بہت ہی پوشیدہ معنی کو واضح کر دیتا ہے، کلام کو زیادہ خوبصورت بنا دیتا ہے، یا ایک خشک شعری وزن کی جگہ ظریف وزن لاتا ہے تو یہ سب بھی قادر الکلامی کی نشانیاں ہیں، سرقہ نہیں ہے۔

اس کا حق پہلے شاعر سے اولیٰ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شاعر ایک صنف کی صنعت کو اٹھا کر دوسری صنف میں لاتا ہے وہ بھی اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس صنعت کو اس کی طرف منسوب کیا جائے۔ البتہ اگرصاحب کلام اور سارقِ کلام فنکاری میں برابر رہتے ہیں تو ظاہر ہے جس نے کلام پہلے کیا ہے وہی اس کا خالق قرار پائے گا [۲۵]۔

ابن رشیق نے حاتمی کی پیش کردہ اصطلاحات کی وضاحت کی ہے، جن کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔

۱۔ اصطراف سے مراد یہ ہے کہ ایک شاعر کو کسی دوسرے شاعر کا کوئی شعر اچھا لگے اور وہ اسے اپنی تخلیق قرار دے۔ ۲۔ اگر یہی کام بطورِ مثل کیا جائے تو اسے اجتلاب اور استلحاق کہیں گے۔ ۳۔ اگر کوئی شاعر دوسرے کے شعر کو مکمل سرقہ کر لے تو اسے انتحال کہتے ہیں۔ ۴۔ اگر کسی دوسرے کا شعر اپنے زور اور قوت سے سلب کر لیا جائے تو اسے اغارہ اور غصب کہتے ہیں۔ ۵۔ اگر اس طرح کا شعر ایک شاعر دوسرے کو ہبہ کر دے تو اسے مرافدہ یا استرفاد کہتے ہیں۔ ۶۔ اگر یہ اخذ ایک شعر سے کم ہو تو اسے اہتدام یا بعض کے نزدیک نسخ کہتے ہیں۔ ۷۔ اگر معنی تو وہی رہے مگر الفاظ بدل گئے ہوں اور سرقہ چھُپ گیا ہو تو اسے نظر اور ملاحظہ کہتے ہیں۔ ۸۔ اگر نیا شاعر ایک معلوم معنی کا الٹ استعمال کر لے اور پہلے معنی کو دوسرے معنی کی طرف پھیر دے تو اسے بھی نظر اور ملاحظہ کہتے ہیں۔ کچھ علماء اسے المام کہتے ہیں۔۹۔ اگر ایک معنی ایک صنف مثلاً نسیب سے اٹھا کر مدیح میں استعمال کر لیا جائے تو اسے اختلاس کہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے ہاں اسے نقل کہا جاتا ہے۔ ۱۰۔ اگر کلام کی ترکیب کو استعمال کر لیا جائے تو اسے موازنہ کہتے ہیں۔ ۱۱۔ اگر ایک شعر میں استعمال شدہ تمام الفاظ کی جگہ اس کے متضاد الفاظ رکھ کر نیا شعر کہا جائے تو یہ عکس ہے۔ ۱۲۔ اگر یہ بات واضح ہو جائے کہ نئے شاعر نے اپنے ہم عصر شاعر کا کلام نہیں سنا اور اسی طرح کی بات کہہ دی تو یہ موارِدہ [توارد] ہے۔ ۱۳۔ اگر بہت سے اشعار سے باتیں اٹھا کر ایک شعر کہہ دیا جائے تو یہ التقاط اور تلفیق ہے۔ کچھ لوگ اسے اجتذاب اور ترکیب بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح کی دوسری اصطلاحات بھی ہیں جن میں ۱۴۔کشف المعنی، ۱۵۔المجدود من الشعر،۱۶۔ سوء الاتباع اور ۱۷۔تقصیر الآخذ من المآخوذ شامل ہیں[۲۶]۔

خلاصہ

جو گفتگو بلوچ صاحب کے ہاں سرقے کی تحقیق سے شروع ہوئی تھی، وہ سرقے کی حقیقت، اور ہماری تہذیب میں اس کے علمی بیان کی وادی میں چلی گئی۔ اس طولِ کلام پر معذرت کی ضرورت محسوس نہیں

۲۵۔ ابن رشیق، العمدۃ، جلد: ۲، صفحات: ۲۹۰ تا ۲۹۱۔

۲۶۔ ابن رشیق، العمدہ، جلد: ۲، صفحات: ۲۸۱ تا ۲۸۲۔

کرتا۔علم و ادب میں سرقے کے نشیب و فراز سے ہر لسانی روایت کا واسطہ رہا ہے، لیکن ہماری تہذیب میں سرقے کے موضوع پر علمی و تحقیقی ارتقاء کی تاریخ فقط تفاخر کے لیے نہیں ہے، بلکہ اُس ذمہ داری کی جانب بھی اشارہ ہے کہ کم از کم ہمیں اس معاملے میں بیدار رہنا چاہیے۔ضمناً یہ کہنا بھی مقصود تھا کہ آن لائن اخبارات میں صحافت کے مروجہ ضوابط کا خیال نہیں رکھا جاتا اور مواد کو جلدی میں بغیر مناسب چھان بین کے شائع کر دیا جاتا ہے جس سے قارئین کو التباس ہوتا ہے، اور ان پڑھ لوگوں کو"مستند علماء" کا بہروپ بھرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ آن لائن جرائد اور اخبارات کے مدیر اس کمی کا تدارک کریں اور قارئین کو مستند اور درست معلومات پر مبنی تحریریں ہی بہم پہنچائیں۔

کتابیات

ابن مقفع، عبد اللہ، کتاب الادب الصغیر و الادب الکبیر، بیروت: دار صادر، سنہ ۱۳۴۲ھ۔

ابن یموت، مہلہل، سرقات ابی نواس، قاہرۃ: دار الفکر العربی، سنہ۱۹۵۷ء۔

ابو عبیدۃ،معمر بن مثنیٰ، شرح نقائض جریر والفرزدق، ابو ظبی، الامارات: مجمع ثقافی، سنہ ۱۹۹۸ء۔

امرء القیس، دیوان، بیروت: دار المعرفۃ، سنہ ۲۰۰۴ء۔

انصاری،حسان بن ثابت، دیوان، بیروت: دار الکتب العلمیہ،سنہ ۱۹۹۴ء۔

جرجانی، ابو احمد بن عدی، الکامل فی ضعفاء الرجال، بیروت: الکتب العلمیہ،سنہ ۱۹۹۷ء۔

جرجانی،ابوحسن علی بن عبد العزیز قاضی، الوساطۃ بین المتنبی وخصومہ، مصر: مطبعۃ عیسی البابی الحلبی،سنہ ۱۹۶۶ء۔

جمحی، محمد بن سلّام اَبو عبد اللہ، طبقات فحول الشعراء، جدہ: دار المدنی، بدون تاریخ۔

حریری، ابو محمد قاسم بن علی، مقامات الحریری، بیروت: مطبعۃ المعارف،سنہ ۱۸۷۳ء۔

خان، ڈاکٹر فاروق احمد، امت مسلمہ: کامیابی کا راستہ، لاہور: المورد، سنہ ۲۰۰۶ء۔

دینوری، ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ، الشعر و الشعراء، قاہرہ: دار الحدیث، سنہ ۱۴۲۳ھ۔

صولی، ابو بکر محمد بن یحییٰ، اخبار ابی تمام، قاہرہ: لجنۃ التالیف و الترجمۃ و النشر، سنہ ۱۹۳۷ء۔

قیروانی، ابو علی حسن بن رشیق، العمدۃ فی محاسن الشعر وآدابہ، بیروت: دار الجیل، سنہ۱۹۸۱ء۔

مرزبانی، ابو عبید اللہ بن محمد بن عمران بن موسیٰ، الموشح فی مآخذ العلماء علی الشعراء، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، سنہ ۱۹۹۵ء۔

نعیم احمد بلوچ، "اسرائیل کیسے وجود میں آیا؟" دنیائے پاکستان، اپریل ۱۹، سنہ ۲۰۱۸ء۔

http://dunyapakistan.com.

Quarterly Harf-e-Neem Gufta Lahore

Email: harfeneemgufta@gmail.com

Mailing Address: 80-C Muslim Nagar Housing Society, Raiwind Road, Lahore.
Postal Code: 53700